© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

گاؤ خوردن چہ ضرور

برادر محترم مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی نے گذشتہ اشاعت میں برہان بابت اکتوبر کے نظرات پر جو تنقید کی ہے اس کے مطالعہ سے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ برادر موصوف باوصف اپنے جلالتِ علم و عمل کے میری طرح ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو ذبح بقر کو ہندستان میں اسلامی شعار سمجھتے ہیں اور استدلال میں حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد پیش کرتے ہیں بلکہ آپ کے نزدیک بھی یہ صرف مباح ہے اور اس بنا پر مسلمان اس کو ترک بھی کر سکتے ہیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں "اس لئے نہیں کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ بعد از وقت بھی ہے اور قبل از وقت بھی اور اس لئے آج ایسا ہونا برادرانِ وطن کی نگاہ میں بے وقعت اور بے معنی ہے"۔ اور نہ صرف یہ کہ یہ ایک امر مباح ہے بلکہ اگر سازگار اور مناسب حالات میں مسلمان اس کو ترک کر دیں تو اس سے ان کی اخلاقی بلندی کا ثبوت بھی ملے گا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "علماء کا یہ متفقہ فیصلہ اس غرض سے کرانا مقصود ہے کہ مسلمانوں کو اپنی اخلاقی بلندی کا ثبوت دینے کے لئے ایسی بات کے ترک کر دینے کا متفقہ اعلان کر دینا چاہئے جس سے برادرانِ وطن کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے۔" (صفحہ ۴۳)

اب مجھ میں اور برادر موصوف میں اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ میرے نزدیک اس معاملہ میں جو کچھ فیصلہ کرنا ہے وہ ابھی اور فوراً کرنا چاہئے اور بھائی صاحب کی رائے میں اس کو ابھی یوں ہی رہنے دینا چاہئے اور اس کی وجہ آپ کے خیال میں یہ ہے کہ اگر اس وقت گاؤکشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترک کی گئی تو چونکہ ہندو اکثریت میں ہونے کے بل بوتہ پر نشۂ اقتدار و پندار سے سرشار ہیں اور ان کے مقابلہ میں مسلمان شکستہ حال و خستہ ہیں اس بنا پر مسلمانوں کا اس وقت ترک گاؤکشی کا عہد کرنا کوئی اچھا اثر پیدا نہیں کرے گا اور نہ صرف اسی قدر بلکہ مسلمان یہ عہد و اعلان کرکے برادران وطن کی نظر میں بے وقعت اور ذلیل ہو جائیں گے۔

اگرچہ برادر محترم موجودہ حالات میں ترک گاؤکشی کو نامناسب بتلاتے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان کے قلم سے بے ساختہ ایک جملہ ایسا ٹپک پڑا ہے جس کا مطلب منطقی طور پر اس کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا کہ ترک گاؤکشی عین وقت کے مطابق ہے۔ آپ فرماتے ہیں "یہ بعد از وقت بھی ہے اور قبل از وقت بھی" اب غور کیجئے تو منطقی طور پر اس فقرہ کی شکل یہ ہوگی

(۱) یہ بعد از وقت ہے یعنی قبل از وقت نہیں

(۲) یہ قبل از وقت ہے یعنی بعد از وقت نہیں

نتیجہ:۔ یہ نہ قبل از وقت ہے اور نہ بعد از وقت۔ یعنی عین وقت کے مطابق ہے

بہر حال آپ کا مطلب یہ ہے کہ تقسیم ہند سے بہت پہلے جب کہ ہندو اور مسلمان دونوں میں اتحاد و یگانگت پائی جاتی تھی وہ وقت ترک گاؤکشی کے لئے موزوں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ وقت موزوں تھا تو پھر اسے ترک کیوں نہیں کیا گیا اس زمانہ میں تو مسلمانوں کی پوری سیاست علماء کے ہاتھ میں ہی تھی اور جب حکیم محمد اجمل خاں مرحوم نے اس کی تحریک کی تھی تو اس کی مخالفت کن حضرات نے کی تھی؟ اور کیوں؟

دوسری بات آپ یہ کہتے ہیں کہ اب ایسا کرنا مناسب نہیں تو اس سلسلہ میں خاکسار راقم الحروف اپنا نقطۂ نظر پیش کرتا ہے لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ یہ چند سطور صرف اپنا نقطۂ نظر اور طریق فکر بیان کرنے کے لئے پیش کی جا رہی ہیں ورنہ اس کا مقصد نہ کوئی اپنا ایک الگ محاذ قائم کرنا ہے اور نہ برادر محترم سے یا کسی اور سے اس معاملہ میں معارضہ و مناقضہ کرنا ہے چنانچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میری طرف سے بیان میں اس سلسلہ کی یہ آخری تحریر ہے۔ اب میری معروضات حسب ذیل ہیں:

(۱) اس سے قطع نظر کہ موجودہ حالات میں ہندوؤں کی پوزیشن کیا ہے اور مسلمانوں کی کیا۔ نفس مسئلہ کی حیثیت سے اس پر غور کرنا چاہئے کہ گاؤکشی سببِ نزاع ہے یا نہیں؟ اگر سبب نزاع ہے تو کیا مسلمان اس کی مقاومت کر سکتے ہیں؟ اگر مقاومت نہیں کر سکتے تو کیا از روئے احکامِ اسلام مسلمان اس سببِ نزاع کو دفع و ختم کر سکتے ہیں؟۔ بس یہ تین سوالات ہیں جن پر غور کرنا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ گاؤکشی آج سے نہیں ہمیشہ سے سببِ نزاع بنی رہی ہے لیکن تقسیم ہند سے قبل چونکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی طاقت متوازن تھی اس لئے مسلمان اس کی مقاومت کر سکتے تھے تقسیم کے بعد صورت حال یہ ہے کہ اس کا سبب نزاع ہونا تو شدید سے شدید تر ہو گیا ہے اور دوسری جانب مسلمانوں میں تابِ مقاومت نام کو بھی نہیں رہی ہے۔ اس بنا پر اب سوچنا یہ ہوگا کہ مسلمان باختیار خود اس کو ترک کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تو شریعت کہتی ہے کہ ہاں مسلمان اس کو ترک کر سکتے ہیں۔ پس اب لامحالہ شریعت کا حکم یہی ہوگا کہ اجتماعی طور پر اس کے ترک کر دینے کا اعلان کر دینا چاہئے اس سلسلہ میں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ مولانا حفظ الرحمن صاحب نے صفحہ ۲۹۸ پر چند مقامات کا نام لے کر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ "فرقہ پرست ہندوؤں نے مسلمانوں کی جان و مال کو نقصان پہنچانے کے لئے عید قرباں کو بہانہ بنا کر خون کی ہولی کھیلنا ضروری سمجھا" اگر اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ بعض مقامات پر فرقہ پرست ہندوؤں نے ایسا کیا تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ بالکل بجا اور درست ہے۔ لیکن اگر مطلب یہ ہے کہ گاؤکشی سرے سے سببِ نزاع ہی نہیں ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس طرح کی بات دنیا کا کوئی معمولی سے معمولی انسان بھی کہہ سکتا ہے چہ جائیکہ ملک کا ایک نامور عالم اور نہایت باہوش و دانش رہنمائے قوم۔

(۲) گاؤکشی جب سببِ نزاع ہے تو اس کو اس کی اس حیثیت کے پیش نظر ختم کر دینا لامحالہ مفید اور عمدہ نتائج پیدا کرے گا۔ اور ان نتائج کی راہ میں ہندوؤں کا موجودہ پندارِ اکثریت حائل نہیں ہو سکے گا جس کا کہ برادر موصوف کو اندیشہ ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں آپ دیکھتے ہیں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میاں بیوی میں کسی بات پر سخت جھگڑا ہو جاتا ہے۔ بیوی بر بنائے شرافت و نیک نفسی شوہر کی بری بھلی باتیں سن کر خاموش رہتی ہے اور اس کا کوئی جواب نہیں دیتی تو اگرچہ شوہر اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کو بیوی پر ہر طرح فوقیت و اقتدار حاصل ہے اور اس کے بالمقابل بیوی غریب کے لئے شوہر کے در کے علاوہ کوئی دوسرا در بھی نہیں ہے اور اس بنا پر ممکن ہے کہ بیوی کا جواب ترکی بترکی نہ دینا اسی مجبوری کے باعث ہو۔ لیکن بایں ہمہ بیوی کی خموشی کا اثر طبعی طور پر یہ ہوتا ہے کہ شوہر کو خود بعد میں اپنے قول و فعل پر ندامت ہوتی ہے اور وہ بیوی سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔

(۳) اور اگر بالفرض اس وقت ترک گاؤکشی کے اعلان سے ہندوؤں کو یہ خیال ہو بھی کہ مسلمانوں نے ڈر کے مارے ایسا کیا ہے نہ کہ اپنے کسی خاص فرض کے احساس سے تو ان کو یہ خیال اس وقت تو ہو سکتا تھا جب کہ یہ اعلان مسلم لیگ یا کسی اور جماعت کی طرف سے ہوتا۔ جمعیۃ علما کو ہر ہندو جانتا ہے کہ یہ بہادروں اور سر فروشوں کی جماعت ہے جس کے نزدیک حق کی راہ میں جان دے دینا معمولی بات ہے اور یہ جماعت جب کل انگریزوں سے مرعوب نہیں ہوئی اور نہ ہندو اکثریت کے خیالی بھوت نے اس کے دماغ پر مسلط ہو کر مسلمانوں کے لئے فرقہ وارانہ سیاست کا راستہ دکھایا تو آج وہ ہندوؤں سے کیوں ڈرنے لگی۔ اس بنا پر اگر جمعیۃ علما، کی طرف سے یہ اعلان ہوتا تو ہندو لامحالہ اس کا خیر مقدم کرتے اور وہ سمجھتے کہ جمعیۃ نے یہ اعلان ہندو سے ڈر کر نہیں کیا ہے بلکہ وقت کے تقاضہ کے مطابق فرض شناسی کے جذبہ سے کیا ہے کون نہیں جانتا کہ جب کل سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کے ہزیمت خوردہ و شکست یافتہ ہونے کے باوجود انگریزوں کو اپنانے کی پالیسی پر عمل کیا تو اس کا خیر مقدم خود انگریزوں نے کیا اور سر سید نے ان کی طرف تعاون و اشتراک کا جو ہاتھ بڑھایا تھا اس کو انھوں نے مضبوط پکڑ لیا کیوں؟ صرف اس لئے کہ انگریز جانتے تھے کہ سر سید وہی بہادر انسان ہے جس نے "اسباب بغاوت ہند" لکھ کر پارلیمنٹ میں تہلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بٹھا دیا تھا اور جو ایک عظیم الشان دربار حکومت سے محض اس بات پر ناراض ہو کر اٹھ گیا تھا کہ اس میں ہندوستانیوں کی کرسی انگریزوں کے برابر نہیں بچھی تھی سر سید کی اس بے خوفی اور بے باکی کی وجہ سے انگریزوں کو یقین تھا کہ اب سر سید نے انگریزوں کو اپنانے کی جو پالیسی اختیار کی ہے تو وہ مرعوب و خوف زدہ ہو کر نہیں بلکہ تقاضائے وقت کا صحیح جائزہ لینے کے بعد فرض شناسی کے جذبہ سے کی ہے یہاں اس سے بحث نہیں کہ سر سید کی یہ پالیسی بہرنوع صحیح تھی یا غلط۔ مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ مسلمانوں کی ہزیمت خوردگی کا تصور سر سید کی پالیسی کے متعلق انگریزوں کے دل و دماغ پر اچھا اثر پیدا کرنے میں مانع نہیں ہوا۔

(۴) اس سے قطع نظر کہ گاؤ کشی کے عنوان سے اب تک کتنے مسلمانوں کی جانیں جا چکی ہیں اس معاملہ پر اس پہلو سے بھی غور کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت نے مذہبی قومیت کی بنیاد پر تقسیم ہند کا مطالبہ کر کے اور پھر اس مطالبہ کو حاصل کر کے درحقیقت بھارت میں اپنے شہری حق کو خود ضائع کر دیا تھا۔ اس کے بعد اگر یہاں کے دستور میں مسلمانوں کو شہری حقوق نہ دیئے جاتے تو مسلمانوں کا منہ نہ ہوتا کہ وہ اس کے خلاف احتجاج میں ایک حرف بھی کہہ سکتے لیکن کانگرس کا مسلمانوں پر یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے اس چیز کی ذرا پروا نہ کی اور ملک کے آئین میں مسلمانوں کو بھی ہندوؤں جیسا شہری تسلیم کر لیا، کانگرس کے اس احسان کے جواب میں مسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ وہ قومی تشکر و امتنان کے طور پر گاؤ کشی کے ترک کا اعلان کر دیتے۔ اگر دستور کی تشکیل کے فوراً بعد مسلمانوں کی طرف سے محض تشکر و امتنان کے جذبہ سے اس قسم کا اعلان ہوتا تو آپ دیکھتے کہ ایک طرف پنڈت نہرو۔ راجندر پرشاد اور راج گوپال آچاریہ ایسے مخلص کانگرسیوں کو مہاسبھا کے خلاف مسلمانوں کے لئے لڑنے میں کتنی تقویت ہوتی اور دوسری جانب خود اکثریت کے دل و دماغ پر اس کا کس قدر اچھا اثر ہوتا۔

(۵) علاوہ بریں آپ اپنے معاملات و مسائل کا صحیح اور کامیاب حل اسی وقت پیدا کر سکتے ہیں جب کہ آپ اپنا صحیح مقام اور مرتبہ معلوم کر لیں اور اس مقام کے مطابق آپ کو جو کرنا چاہیئے وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کریں ملک کی تقسیم کے بعد بھارت کے مسلمانوں کی مثال اس فوج کی سی ہے جو کسی محاذ پر اپنے حریف سے شکست کھا چکی ہے ایسی شکست خوردہ فوج کے لئے منہ موڑ اور ہٹ میں اسی جگہ پر کھڑا رہنا سراسر خودکشی کے مرادف ہے۔ اسے لامحالہ پیچھے ہٹنا چاہئے۔ پسپائی کی پالیسی پر عمل کرنا چاہئے اسے حالات کو متوازن کرنے کے لئے اپنے اندر لچک پیدا کرنی چاہئے۔ لیکن یہ لچک، یہ دباؤ اور یہ پسپائی بزدلی، بددلی اور نامردی کے ساتھ نہیں بلکہ حوصلہ وامید، اور ولولہ وارمان کے ساتھ محض اس خیال سے ہونی چاہئے کہ اب جب کہ اسباب طبعی کے ماتحت اس فوج کو شکست ہو ہی گئی ہے تو اب اس کے لئے محاذ سے پسپا ہونا بھی ایک طریق جنگ ہے۔ یہ پسپائی صرف اس بنا پر اختیار کرنی چاہئے کہ یہ فوج شکست کھا چکی ہے۔ اس وقت اس کا خیال ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ اس پسپائی پر دشمن ہنسے گا۔ اور اس پر کوئی اچھا اثر ہوگا یا نہیں ہوگا۔

بھائی حفظ الرحمن صاحب اگر گستاخی معاف کریں تو میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ آج مسلمانوں کے حالات کے عدم توازن کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ملک کی تقسیم تک مسلمان بحیثیت مجموعی فرقہ وارانہ سیاست کی زیر قیادت تھے اور اسی قیادت کے ماتحت آخرکار وہ ملک کے دو ٹکڑے کرا کے رہے لیکن ٹھیک ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو شب کے بارہ بجے یہ قیادت اپنا بستر بوریہ باندھ کر اس ملک سے رخصت ہوگئی اور اس کی جگہ جمعیۃ علمائے ہند نے لے لی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جمعیۃ نے یہ سب کچھ اسلامی حمیت وغیرت اور انسانی شرافت و ہمدردی کے جذبہ سے بے قرار ہو کر کیا کیونکہ جمعیۃ کو مسلمانوں نے تقسیم ہند سے قبل خواہ کچھ ہی کہا سنا اور اس کے ساتھ کیسا ہی برا اور ناگوار معاملہ کیا ہو لیکن اس سب کے باوجود جمعیۃ یہ ایک لمحہ کے لئے گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ مسلمان بے کس و بے بس ہو کر فتنہ و فساد کی دوزخ میں گھر کر رہ گئے ہوں اور جمعیۃ ان کا تماشہ دیکھتی رہے۔ چنانچہ حفظ الرحمن اور ان کے رفقاء خود بھی اس آگ میں کود پڑے اور مسلمانوں کو اس آگ کی لپیٹ سے بچانے کے لئے انہوں نے جس عظیم الشان فداکاری۔ جاں سپاری اور بے باکی و بے خوفی کا مظاہرہ کیا ہے میرے علم و یقین میں وہ صحیفۂ شجاعت و جوانمردی کا ایک نہایت روشن باب ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں ان حضرات کے مراتب ومدارج صدیقین وشہدلر سے کسی طرح کم نہیں ہیں یہ سب کچھ صحیح اور درست لیکن منطقی اعتبار سے جو بات غلط ہے وہ غلط ہی ہو گی۔ اب جمعیۃ کی مثال اس ڈاکٹر کی سی ہے جس کے سپرد ایک ایسا مریض ہوا ہے، جس کا کیس پہلے سے ایک اور انگریز اور اناڑی ڈاکٹر نے بگاڑ دیا ہے اور جب مریض کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تو یہ ڈاکٹر مریض کو خدا کے سپرد کر کے کسی اور دوسرے ملک کو سدھار گیا ہے اب یہ دوسرا ڈاکٹر ازراہ ہمدردی وشرافت اس مریض ناتواں کا علاج تو کر رہا ہے لیکن صرف اپنے انداز فکر اور طریق علاج کے مطابق اور یہ نہیں دیکھتا کہ پہلے ڈاکٹر نے مریض کے حالات میں کہاں کہاں اور کس کس راہ سے فساد پیدا کر دیا ہے اور ان چیزوں کی رعایت سے اسے کیا کرنا چاہیے جمعیۃ نے ہندوؤں کے دوش بدوش جنگ آزادی میں حصہ لیا ہے اس لئے وہ نہ ہندوؤں کے سامنے مجوب وشرمسار ہے اور نہ وہ ان سے دب کر کوئی بات کر سکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ عام مسلمانوں کا حال یہ نہیں ہے، بس یہ ہے اصل خرابی کہ قوم کے حالات "پسپائی" کے متقاضی ہیں لیکن لیڈر شپ اپنے مخصوص کردار کے باعث اس کے لئے تیار نہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ مسلمان خود بخود گاؤکشی ترک کرتے جا رہے ہیں گذارش یہ ہے کہ جی ہاں! ترک کرتے جا رہے ہیں مگر صرف انھیں مقامات پر جہاں وہ نہیں کر سکتے مغربی بنگال میں گاؤکشی ممنوع نہیں ہے تو اس سال بھی عید قرباں کے موقع پر سینکڑوں گائیں قربان ہوئیں پولیس کے انتظامات ہر جگہ معقول تھے اس لئے فساد کہیں نہیں ہوا۔ اب سوچئے کہ اگر ایسے مقام پر مسلمان بطیب خاطر گائے کی قربانی نہ کرنے کا اعلان کر دیتے تو کیا اس سے مسلمانوں کی آن پر بٹہ لگ جاتا اور کیا اس سے فرقہ وارانہ تعلقات کو خوشگوار بنانے میں مدد نہ ملتی؟

اب حالات تیزی سے بدل رہے ہیں، ٹنڈن جی نے ناسک میں برملا کہا ہے کہ ہندوؤں کو گاؤکشی کے خلاف رائے عامہ پیدا کرنی چاہئے۔ ڈالمیا نے صاف صاف کہا ہے کہ اگر ۲۶ جنوری ۱۹۵۱ء تک گاؤکشی بند نہیں ہوئی تو میں اپنی زندگی اس کے لئے وقف کر دوں گا۔ اب سمجھ لیجئے کہ ان

© rasailojaraid.com